

تفسیر روض الجنان - ایک تجزیاتی مطالعہ

پروفیسر کبیر احمد جالسی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں نافع بن عبد بن درقا خزامی ایک مشہور صحابی گذرے ہیں۔ اُن کے اخلاف میں کچھ حضرات اپنے وطن اصلی سے ہجرت کر کے ایران آ گئے۔ یہ لوگ تین شہروں نیشاپور، بہمن اور رے میں بس گئے، جو شاخ رے میں بس گئی تھی اُسی کے ایک گھرانے میں چھٹی صدی ہجری میں جمال الدین حسین نام کے ایک بچے نے آنکھیں کھولیں، اُس کے والد کا نام علی اور دادا کا محمد تھا۔ تعلیم و تربیت کے تمام مراحل طے کرنے اور سن رشد کو پہنچنے کے بعد یہی بچہ ابوالفتوح رازی کے نام سے مشہور ہوا جس کا شمار اکابر شیعہ علماء میں ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ابوالفتوح رازی کا مال ولادت و وفات دونوں ضبط تحریر میں نہ لایا جاسکا۔ ہمارے زمانے کے ایک محقق ڈاکٹر عسکر حقوی نے ”تحقیق در تفسیر ابوالفتوح رازی“ کے نام سے کئی جلدوں میں ایک کتاب تحریر کی ہے اُس میں انہوں نے ابوالفتوح رازی کے بارے میں بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ بکھری ہوئی معلومات کو جمع کر دیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق ابوالفتوح رازی کی وفات ۳۵۵ھ اور ۳۵۶ھ کے درمیان وقفے میں ہوئی ہوگی۔

اپنے زمانہ کے مشہور شیعہ عالم ہونے کے باوجود ابوالفتوح رازی کی زندگی کے حالات محفوظ نہیں ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ عوام کے مذہبی عقائد کی اصلاح کے لیے وعظ گوئی میں اپنی زندگی کا بیشتر وقت صرف کرتے اور وعظ گوئی سے جو وقت بچ رہتا اُس کو تصنیف و تالیف کی نذر کرتے۔ ان کی تصانیف کے سلسلے میں بھی محققوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ”روض الجنان و روض الجنان فی تفسیر القرآن“ اور ”رسالہ یوحنا“ کے بارے میں تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ ابوالفتوح رازی ہی کی تصانیف ہیں۔ مؤرخان ذکر کتاب سلسلہ امامت پر ہے اور ایک نصرانی یوحنا کی جانب

سے لکھی گئی ہے جو مسلمان ہو کر مختلف اسلامی فرقوں کا مطالعہ کر کے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مذہب اثنا عشری ہی برحق ہے۔ ان تصانیف کے علاوہ ڈاکٹر عسکر حقوی نے اُن سے منسوب دو اور رسالوں کا ذکر کیا ہے جن سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

ابوالفتوح رازی کے دو فرزندوں کے نام تاریخ کے صفحات میں محفوظ رکھے گئے ہیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام شیخ صدر الدین علی تھا جو ایک متدین فرد ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔ دوسرے صاحبزادے شیخ تاج الدین محمد تھے جن کو اُن کے زمانے کے لوگوں نے ”مرد فاضل و باورع“ قرار دیا تھا۔ اُن کے اخلاف کے بارے میں اس سے زیادہ کسی اور بات کا علم نہیں۔

ابوالفتوح رازی ساری عمر اپنے مولد رے ہی میں قیام پذیر رہے اور وہیں وفات پائی۔ اُن کی قبر امام زادہ عبدالعظیم حسنی کے مرقد کے جوار میں ہے۔ ڈاکٹر عسکر حقوی نے حدیث الشیعہ کے مصنف ملا احمد اردبیلی (م ۹۹۳ھ) کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ جب اردبیلی کا گذر اصفہان سے ہوا تو انھوں نے مشاہدہ کیا کہ اصفہان کے لوگوں نے ابوالفتوح غجلی شافعی کے مرقد کو ابوالفتوح رازی کا مرقد سمجھ لیا ہے اور شیعہ عوام اپنے اجداد کی عادت کے مطابق ایک سنی صوفی کے مرقد کی زیارت کے لیے جوق در جوق جلتے ہیں۔ یہ دسویں صدی ہجری کا ذکر ہے اب اس طرح کی کوئی غلط فہمی اہل علم یا عوام کے درمیان نہیں ہے اور یہ بات مان لی گئی ہے کہ ابوالفتوح رازی اپنے مولد رے ہی میں مدفون ہیں۔

ابوالفتوح رازی کی شہرت کا سارا دار و مدار اُن کی تفسیر روض الجنان پر ہے یوں تو اس تفسیر کے بہت سے مخطوطے دنیا کے مختلف کتابخانوں میں محفوظ ہیں لیکن ان میں سے دو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ دونوں نسخے کتابخانہ آستان قدس رضوی میں ہیں جن میں سے ایک کی کتابت ۵۵۶ھ میں اور دوسرے کی ۵۵۷ھ میں ہوئی تھی۔ ان دونوں مخطوطوں کی تاریخی اہمیت ہے ممکن ہے کہ ان کی کتابت مصنف کے عہد حیات ہی میں ہوئی ہو، اگر یہ قیاس درست نہیں ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مفسر کے انتقال کے دو تین ہی برس کے بعد ان کی کتابت ہوئی تھی۔ ان دو مخطوطوں کے علاوہ اس کتابخانہ میں روض الجنان کے اور بھی مخطوطے محفوظ ہیں جن میں وہ دو جلدیں خاص

علاوہ بریں نسخہ مجلس شوریٰ ملی بھی ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے جو نصف اول قرآن کی تفسیر ہے اگرچہ خود اس مخطوطے کی کتابت ۱۰۵۸ھ میں ہوئی ہے مگر چونکہ یہ مخطوط ۶۱۵ھ کے مکتوبہ ایک مخطوطہ سے نقل کیا گیا ہے اس لیے اُس کو مصنف کے انتقال کے نصف صدی بعد کا متن قرار دیا جاسکتا ہے اور یہی قدامت اس مخطوطے کو اہمیت کا حامل قرار دیتی ہے۔

بعد کے کتابت کیے ہوئے خطوط میں کتابخانہ سلطنتی کانسٹنٹینوپل بھی شامل ہے جو چار جلدوں میں ہے اور دو الگ الگ کتابوں نے ۱۳۰۷ھ اور ۱۳۰۹ھ میں مکمل کیا تھا۔ ایران میں روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن کا جو متن شائع کیا گیا ہے اُس کی اساس اسی خطوط کے متن پر رکھی گئی ہے۔

ہندوستان میں بھی ابوالفتح رازی کی تفسیر کے دو مخطوطے محفوظ ہیں۔ ایک پٹنہ کے خدا بخش لائبریری میں اور دوسرا علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں۔ بوخلاندک نصف آخر کی تفسیر ہے جس پر کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ خدا بخش کے مخطوطے کے شروع کے دو صفحات غائب ہیں یہ مخطوطہ سورہ بقرہ سے لے کر سورہ کہف تک کی تفسیر پر مشتمل ہے اور اس کی کتابت ۳۴۲ھ میں ہوئی تھی یعنی محتاط اندازہ کے مطابق مصنف کے انتقال کے پچھتر سال بعد۔ سی۔ اے۔ اسٹوری کی انگریزی کتابت پرشین لٹریچر کالج قاری ترجمہ ایران سے شائع ہوا ہے اس کے صفحہ ۱۱۶ پر اس مخطوطے کا ذکر ہے مگر کسی غلط فہمی کی بنا ”ذخیرہ سبحان اللہ خاں“ کے محقق نو بیٹے ”صبح“ سے ظاہر کرنے کے ”صبح“ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ان مخطوطوں کے علاوہ کم از کم دس مخطوطے اور بھی دریافت ہو چکے ہیں جو قدامت کے لحاظ سے اہمیت نہیں رکھتے اس لیے ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

ابو الفتوح رازی کی زیر بحث تفسیر بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی برسوں میں منظر الدین شاہ قاجار کے حکم سے شائع کی گئی تھی جس کا ذکر ڈاکٹر مسکرت حقی نے

اپنی کتاب ”تحقیق در تفسیر ابو الفتوح رازی“ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ ش مطابق ۱۹۹۸ء کیا ہے، اس سنہ کے بعد سے ۱۹۸۴ء تک اس کی جتنی اور اشاعتیں ہوئی ہیں اُن کا ذکر ادبیات فارسی (سی۔ اے۔ اسٹوری کی انگریزی کتاب پرشین لٹریچر کا اضافوں کے ساتھ ترجمہ) میں موجود ہے ہم مطبوعہ اشاعتوں کی تفصیل اسی کتاب کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں۔ یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ ”ادبیات فارسی“ کی اشاعت کے بعد کی ”روض الجنان“ کی اشاعتوں تک ہماری دسترس نہ ہو سکی اس لیے اس فہرست کو مکمل نہ سمجھنا چاہیے۔

۱۹۰۱ء میں قاچاری بادشاہ مظفر الدین شاہ نے فرمان جاری کیا کہ ابو الفتوح رازی کی تفسیر جو اُس وقت تک غیر مطبوعہ تھی شاہی مطبع سے شائع کی جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں مذکورہ تفسیر کو پانچ جلدوں میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ جنوری ۱۹۰۷ء میں مظفر الدین شاہ نے اس دنیا کو خیر باد کہا اُس وقت تک اس تفسیر کی جلد اول اور دوم شائع ہو چکی تھیں اور تیسری کی طباعت ہو رہی تھی اور ۱۷۳ صفحات چھپ چکے تھے۔ اُس وقت کے ایران کے سیاسی حالات کی وجہ سے قاچاریوں کے عہد حکومت میں اس کام کو مکمل نہ کیا جاسکا جب رضا شاہ کبیر کی حکومت قائم ہو گئی اور ایران میں امن و امان کا دور دورہ ہوا تو رضا شاہ کبیر کے حکم سے اس نامکمل کام کو ۱۳۱۵ھ ش (۱۹۳۶-۳۷ء) میں مکمل کیا گیا اور چوتھی اور پانچویں جلدیں شائع ہو کر منظر عام پر آئیں۔ ان جلدوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے پہلی جلد سورہ فاتحہ سے سورہ نساء کے ایک حصے تک کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد سورہ نساء کے بقیہ حصے سے شروع ہو کر سورہ توبہ پر ختم ہوتی ہے۔ تیسری جلد کی ابتداء سورہ یونس کے ترجمہ و تفسیر سے ہوتی ہے اور اختتام سورہ مؤمنون کے ترجمہ و تفسیر پر۔ چوتھی جلد سورہ نور سے سورہ شعراء تک اور پانچویں جلد سورہ زخرف سے سورہ الناس تک کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے۔

اس تفسیر کی دوسری اشاعت دس جلدوں میں ہوئی جو ۱۹۷۱ء سے لے کر ۱۹۷۳ء تک کے عرصہ میں منظر عام پر آئی ہیں۔ ابو الفتوح رازی کی تفسیر کے اس متن کو تہران یونیورسٹی کے استاد مہدی الہی قفصہ نے مرتب فرمایا ہے۔ اسی متن کو ۱۳۳۵ھ ش مطابق ۱۹۵۶-۵۷ء

لہ ”ادبیات فارسی“ میں فہمی لکھا ہے ہم نے چاب دوم کے سرورق کے مطابق یہ لفظ لکھا ہے۔

۱۵۱۰ھ سنہ ”ادبیات فارسی“ میں درج ہے جو صحیح نہیں ہے۔ چاب دوم کی پہلی جلد فروردین ۱۳۲۰ھ ش = ۲۵

میں پھر دس جلدوں میں شائع کیا گیا۔ اس کے دس گیارہ برسوں کے بعد حاجی میرزا ابوالحسن شحرابی کا مرتب کردہ متن ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۸ء گیارہ جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۸ء کے بعد سے ”ادبیات فارسی“ کی سال اشاعت (۱۹۸۴ء) تک کوئی اور نئی اشاعت منظر عام پر نہیں آئی اسی لیے کسی اور مطبوعہ متن کا ذکر کتاب میں نہیں ملتا۔ فارسی زبان کے معلوم تفسیری سرمایے میں یہ وہ پہلی تفسیر ہے جو کسی شیعہ عالم کے قلم کی مہموں منیت ہے۔ اس سے پہلے کی صدیوں میں ایرانی شیعہ علماء نے عربی زبان میں کلام پاک کی تفسیر میں کبھی تھیں جن میں سے بعض بعض اب بھی موجود ہیں لیکن گمان غالب یہ ہے کہ ابوالفتوح رازی سے پہلے کسی شیعہ عالم نے فارسی زبان کو تفسیری نکات بیان کرنے کا اہل نہیں سمجھا تھا۔ ابوالفتوح رازی وہ پہلے شیعہ عالم ہیں جنہوں نے اپنی مادری زبان میں کلام پاک کی تفسیر لکھ کر اُس سلسلے کا آغاز کیا جس کو اُن کے ہم وطن آج بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔

یہاں اس بات کا بھی ذکر ضروری ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے ایران میں مذہبی مناقشات کا دور دورہ تھا۔ ایک طرف شیعہ اور سنی برسرِ پیکار تھے تو دوسری طرف سنیوں میں احناف اور شوافع ایک دوسرے کے لیے شمشیر بے نیام بنے ہوئے تھے۔ ابوالفتوح رازی نے مناقشات کے اسی دور میں روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن کی تالیف کی ہے مگر چونکہ وہ وعظ گوئی کے ذریعہ اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت میں مہمک تھے اس لیے انہوں نے اپنی تالیف کا انداز بیان کم سے کم مناظر نہ ہونے دیا ہے۔ علاوہ بریں جہاں جہاں ضرورت محسوس کی ہے وہاں وہاں جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بھی بیان کردہ روایات کو نقل کرنے سے گریز نہیں کیا ہے اور ان حضرات کا نام ادب و احترام سے لیا ہے۔

ابوالفتوح رازی کی اس فارسی تفسیر کی لسانی اہمیت بھی ہے۔ اس تفسیر کے غار مطالعے سے اُس زمانے کی فارسی زبان کا بڑا اچھا اور اہم مطالعہ کیا جاسکتا ہے اس کام کو

میں شائع ہوئی تھی سنہ ۱۳۵۲ھ کے لحاظ سے یہ سنہ ۱۹۵۱ء قرار پاتا ہے۔

بڑی حد تک ڈاکٹر عسکر حقوقی نے انجام دے دیا ہے۔ جن حضرات کو اس موضوع سے خصوصی دلچسپی ہو اُن کو ڈاکٹر عسکر حقوقی کی کتاب ”تحقیق در تفسیر ابو الفتح رازی“ کی تینوں جلدوں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ مطالعہ چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لیے ہم یہاں چند اُن کلمات و فقرات کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو اب آج متروک ہو چکے ہیں یا جن کے معنی بدل چکے ہیں۔ یہ سب کے سب ڈاکٹر عسکر حقوقی کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

آتش زنہ = چٹھا، آخریان = متاخرین، احتمال کردن = تحمل کردن (برداشت کرنا)، آسمانہ خانہ = سقف (چھت)، اعتبار گرفتن = عبرت گرفتن (عبرت حاصل کرنا) انداخت = تدبیر، یہی لفظ توجہ اور التفات نہ کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے بارہادان = وضع حل (جَننا)۔ بشولیدہ = آشفقہ، پریشان، بیدیدگی = نابینائی، بیران = ویران، یاہتی = یاہرمنہ، یاہیلچہ = پاتلہ، پاتیلہ (پتیلی)، پس روی = پیروی، پی گری = پیرو، تاسہ = آرزو، نقصیر کردن = کوتاہ کردن (چھوٹا کرنا) تنگ رسیدن۔ بہت نزدیک ہو جانا، چراغ پای = ڈیوٹ، خوار = آسمان، در حال خود یافتن = حال نزع، درخت سنب = موریانہ (دیمک) دندان کند شدن = ناامید شدن، رودکان = اعداء (اترپاں)، زیر = کم تر از (سے کم)، سنبہ = قوی ہیکل اور دلیر مرد، شبیازہ = چمکا ڈر، شمس = سرکش، غیر کردن = عبور کردن (پار کرنا) غنیمت کردن = مال کو غنیمت میں لے جانا فرمان یافتن = مُردن (مرنا)، کراتین = عنکبوت (مکڑی)، کوف = بوم (اُٹو)، گرم گاہ = میانہ روز (دوپہر)، لنگ = عدل، مرجو = مرجک (مسور)، نشاط کردن = میل داشتن (رُاب ہونا)، شہرہ = خوب، پسندیدہ، ہمت کردن = ارادہ کردن، ہم سنگ = ہم وزن، واپس بعد از (اس کے بعد)، وزر = گاؤنر (بیل)، یاسہ = تمنا اور آرزو:

ڈاکٹر عسکر حقوقی نے الف بائی ترتیب سے ایسے الفاظ و فقرات کی ایک طویل فہرست مرتب کی ہے۔ ہم نے نمونے کے طور پر ہر حرف کے دو ایک الفاظ نقل کر دیے ہیں۔ صرف درج بالا الفاظ کے مطالعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ابو الفتح رازی کا طرزِ تحریر صاف، سادہ اور رواں ہے اور باوجود اس کے کہ انہوں نے اپنے مباحث میں پیچیدگی نہیں پیدا ہونے دی ہے، آج کے زمانے میں اُن کی تفسیر سے

صحیح معنوں میں اُسی وقت استفادہ ممکن ہے جبکہ چھٹی صدی ہجری کے رے اور نواح رے کی فارسی زبان پر ایسی دسترس ہو کہ ”عبر کردن“ کو ”عبور کردن“ اور ”نشاط کردن“ کو ”میل داشتن“ سمجھا جاسکے اگر کسی کا علم اس کے برعکس ہوا تو نتیجہ معلوم۔

یہاں پر دو اور باتوں کا چند الفاظ میں ذکر کر دینا ضروری ہے۔ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے ابوالفتوح رازی کے سر پر دستار فضیلت باندھتے ہوئے اُن کی تفسیر کا چند دوسری تفسیریں سے موازنہ و مقابلہ بھی فرمایا ہے اور روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن پر تفصیل سے اظہار خیال کرتے ہوئے یہ اطلاع فراہم کی ہے کہ ابوالفتوح رازی کی تفسیر ابی جعفر محمد بن حسن علی الطوسی (م: ۴۶۰ھ) کی عربی تفسیر البیان فی تفسیر القرآن سے بہت متاثر ہے مگر اس کے باوجود اُس کو سرقہ نہیں کہا جاسکتا۔ سرقے کی بات درمیان میں یوں آئی کہ میرزا محمد بن سلیمان تنکا بنی نے اپنی کتاب قصص العلماء (سنہ تکمیل ۱۲۹۰ھ) کے صفحہ ۳۲۸ پر ابوالفتوح رازی کا ذکر کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی (۵۴۲ - ۶۰۶ھ) کے بارے میں جو گل افشانی کی ہے اُس کا اردو ترجمہ یہ ہے ”فخر الدین رازی نیشاپوری نے ابوالفتوح رازی کے مطالب کو چُر کر اپنی تفسیر میں لکھا ہے“۔ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے ”بعض دوسرے لوگوں“ کے اس خیال کو بھی نقل کیا ہے کہ فخر الدین رازی نے سرقے کے الزام سے بچنے کے لیے ابوالفتوح رازی کے مطالب پر تشکیکات کا اضافہ کر دیا ہے تاکہ ان کی تحریر ابوالفتوح رازی کی تحریر سے ممتاز و متمایز ہو سکے۔ خود ڈاکٹر عسکر حقوقی نے اپنے خیالات کو نسبتاً نرم الفاظ میں ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے۔ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر ”مفتاح الغیب“ (یہ تفسیر تفسیر کبیر کے نام سے بھی موسوم ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے جگہ جگہ روض الجنان.... کو ”تفسیر کبیر“ کے نام سے موسوم کیا ہے) لکھتے وقت ابوالفتوح رازی کی تفسیر کو سامنے رکھا ہے اور اُس سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔

۱۔ فرہنگ معین ج ۶، طبع اول تہران ص ۱۴۶۸

۲۔ بحوالہ ”تحقیق در تفسیر ابوالفتوح رازی“، ج ۱، ص ۱۹۶

۳۔ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے یہ تحریر نہیں کیا کہ یہ ”بعض دوسرے لوگ“ کون ہیں؟

۴۔ ”استفادہ ہای فردانی کرد“

تفسیر روض الجنان

اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ایک مثال بھی درج کر دی ہے لیکن صرف ایک مماثلت کی بنیاد پر کوئی حتمی حکم نہیں لگایا جاسکتا چونکہ یہ موضوع ہماری آج کی بحث سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتا اس لیے اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ ایک بات اور ابو الفتوح رازی، ترجمہ تفسیر طبری سے نہ صرف یہ کہ واقف تھے بلکہ بعض بعض جگہوں پر انھوں نے اُس کا حوالہ بھی دیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ترجمہ تفسیر طبری اور روض الجنان کا تقابلی مطالعہ کر کے یہ دیکھا جائے کہ ابو الفتوح رازی نے ترجمہ تفسیر طبری سے کس حد تک استفادہ کیا ہے اور کس حد تک انحراف؟

طول بیانی ابو الفتوح رازی کی تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔ انھوں نے کلام پاک کی سورتوں اور آیتوں کی شان نزول بیان کرنے، ارشاد الہی سے فقہی اور اخلاقی نکات اخذ کرنے، اپنی تفسیر کو اہمیت کا حامل بنانے کے لیے میسر مقامات پر احادیث کا سہارا لینے کے علاوہ علم نجوم وغیرہ کے طول و طویل بیان سے اپنی تحریر کو مزین کیا ہے اور وہ انداز بیان اختیار کیا ہے جو آج بھی ہمارے واعظوں کا مقبول ترین انداز بیان ہے اپنی نشر میں زور پیدا کرنے کے لیے ابو الفتوح رازی نے عربی اور فارسی کے جتنے اشعار اپنی تفسیر میں نقل کیے ہیں اُس کی نظیر شاید ہی کسی اور تفسیر میں مل سکے۔ ہم ابو الفتوح رازی کی تفسیر کے متن کے مطالعے کا آغاز اُن کی نقل کردہ ایک فارسی حدیث سے کرتے ہیں جو اُن کے مذہبی مسلک کی ترجمان بھی ہے اور اُن کی فارسی نگاری کی غماز بھی۔

”در خبری آید کہ رسول گفت: بار خدا یا من ایش از ا (اصحاب کہف) تو انم دیدن؟“ خدا نے تعالیٰ گفت: ”تو ایش از نہ بینی ولیکن وہی خود را با جماعتی از صحابہ آنجا فرست تا ایش از ادعوت کنند، بادی و ایمان آورند بتو“ گفت: ”بار خدا یا چگونہ روند آنجا؟“ خدای تعالیٰ گفت: بساطی بیار دایش از ابر آنجا نشان و باد را بفرمای تا ایش از ابر دارد و آنجا برد و آنجا برد“ رسول علیہ السلام بفرمود: ”تا بساطی بگستر دند و ابوبکر را گفت بر یک گوشہ نشین و عمر را گفت بر یک گوشہ نشین و سلمان را گفت بر یک گوشہ نشین و ابوذر را گفت بر یک گوشہ نشین و امیر المؤمنین علی را گفت بر میانہ بساط نشین“ صحابہ گفتند یا رسول اللہ خدای تو را فرمود کہ وہی خود

رابطہ قومی صحابہ آنجا فرست، از میان ایناں وصی تو کیست؟ گفت: ”وصی من آنست کہ چون برایشان سلام کند جوایش دہند و چون سخن گوید با او منظرہ کنند و آنان کہ وصی من نیستند ایشان را دستوری نیست کہ با وی سخن گویند و جواب سلام اودہند۔“

روایت ہے کہ رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”اے میرے مالک کیا میں اُن لوگوں (صحابہ کہف) کو دیکھ سکوں گا“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”آپ اُن کو نہیں دیکھیں گے، لیکن صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ آپ اپنے وصی کو اُن کے پاس بھیجیں تاکہ وہ آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لانے کی اُن کو دعوت دیں“ (آپ نے) پوچھا ”اے میرے مالک وہ لوگ وہاں کس طرح جائیں“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ایک چٹائی لائیے اور اُن لوگوں کو اس پر بیٹھائیجئے اور ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ ان لوگوں کو اٹھالے جائے اور وہاں پہنچائے“ رسول علیہ السلام نے حکم دیا، چٹائی بچھائی گئی آپ نے ابو بکر کو حکم دیا کہ ”چٹائی کے ایک کونے پر بیٹھو، عمر کو حکم دیا کہ ”ایک کونے پر بیٹھو“ سلمان کو حکم دیا کہ ”ایک کونے پر بیٹھو“ ابوذر کو حکم دیا ”ایک کونے پر بیٹھو اور امیر المؤمنین علی سے فرمایا کہ ”چٹائی کے بیچوں بیچ بیٹھو“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے کہ اپنے وصی کو صحابہ کے ساتھ وہاں بھیجیں، ان میں سے آپ کا وصی کون ہے؟“ آپ نے فرمایا ”میرا وصی وہ ہے جو، جب اُن کو سلام کرے تو وہ اس کا جواب دیں جب وہ اُن سے بات کرے تو وہ اُن سے بات کریں اور وہ لوگ جو میرے وصی نہیں ہیں اُن کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ گفتگو کریں اور سلام کا جواب دیں۔“

۱۔ جلد ۳ ص ۲۰۸۔ ہم نے یہ عبارت ڈاکٹر عسکر حقوی کی کتاب کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۲۵ سے نقل کی ہے۔

۲۔ یہاں منظرہ کا لفظ قابل توجہ ہے ہم نے سیدھا سادا اس لفظ ”بات“ ترجمے کے لیے منتخب کیا ہے۔

۳۔ جو حضرات اس حدیث کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں وہ ڈاکٹر عسکر حقوی کی کتاب کی تیسری جلد کے ص ۴۵، ۴۶، ۴۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

شیعہ حضرات کے نزدیک حضرت علی کا وصی ہونا محتاج ثبوت نہیں ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا۔ ابوالفتوح رازی کی بیان کردہ اس حدیث میں جو بات باعث تعجب ہے وہ یہ ہے کہ چٹانی پر بیٹھنے والوں میں شیخین کا نام تو ہے مگر حضرت عثمانؓ کا نہیں ہے۔ اگر وہ بھی اُس چٹانی پر بیٹھتے تو اُن پر بھی حضرت علی کا وصی ہونا منکشف ہو جاتا۔ نجانے کس مصلحت سے حضرت عثمانؓ سے یہ بات پوشیدہ رکھی گئی۔ اس مقام پر اس بات کا دھرانا ضروری ہے کہ ابوالفتوح رازی بنیادی طور پر واعظ ہیں محدث نہیں اس لیے انھوں نے یہ اطلاع فراہم نہیں کی کہ یہ حدیث کن کن راویوں سے روایت ہوئی ہوئی اُن تک پہنچی ہے۔ پہلی صدی ہجری سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک راویوں کا جو طویل سلسلہ ہے اُس سے لاعلم ہونے کی بنا پر ہم یہ کہنے سے قاصر ہیں کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ مصدقہ ہے، غریب ہے، ضعیف ہے یا وضعی ہے؟ ممکن ہے کوئی شیعہ محدث اس حدیث کی اصالت، کی تائید یا تردید کر سکیں۔ سردست ہم اس پر کسی تبصرے سے گریز کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے زمانے کے دو مشہور ترین مجتہدوں مولانا کلب حسین صاحب مرحوم اور مولانا علی نقی صاحب مرحوم کی درجنوں مجلس سنی میں ان دونوں بزرگوں نے حضرت علیؓ کے فضائل میں جو احادیث بیان کیں اور ان کے وصی ہونے کے جو نقلی اور عقلی ثبوت پیش کیے ان میں اس طرح کی کسی بات کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے ایران کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اُس کی سرزمین میں تصوف نے وہ عروج حاصل کیا جو پھر کسی زمانے میں حاصل نہ کر سکا۔ خراسان کے وسیع و عریض علاقے میں خصوصاً اور ایران کے دیگر علاقوں میں عموماً تصوف کے نام لیواؤں کا وہ اثر دھام ہوا کہ سانس لینا دشوار ہو گیا۔ شاعری ہو یا دوسرے علوم و فنون سب ہی تصوف کے مصطلحات اور کلمات و فقرات کو نہ صرف اپنانے لگے بلکہ خواہی خواہی اپنے آپ کو طائفہ صوفیہ میں شمار کرانے کی سعی و جہد میں مشغول ہو گئے۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ ان دونوں صدیوں میں جو فارسی تفسیریں عالم وجود میں آئیں، خواہ وہ سنی علماء کی تحریر کردہ ہوں یا شیعہ علماء کی، متصوفانہ افکار و آراء سے گرنابر ہیں۔ ابوالفتوح رازی اگرچہ مذہباً اثنا عشری شیعہ ہیں اور ان کے مذہب میں تصوف کی وہ حیثیت نہیں ہے جو سنی مذہب میں ہے مگر ماحول کے اثر سے ان کی تحریر کردہ تفسیر تصوف کی بونی بولنے میں کسی سے پیچھے نہیں دکھائی دیتی۔ طوالت سے بچنے

کے لیے ہم یہاں صرف ایک نسبتاً مختصر مثال کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس مثال میں انھوں نے تصوف کی زبان میں مومن و منافق کے فرق کو واضح فرمانے کی سعی کی ہے۔

”حاتم اہم گفت: مومن از ہمہ کس آیس بود مگر از خدای تعالیٰ و منافق

بہمہ کس امید دارد مگر بخدای تعالیٰ و مومن عمل صالح می کند و می ترسد و

منافق معصیت می کند و امین می باشد و مومن مال را سپردن کند و منافق

دین را سپرد مال کند و مومن طلب می کند مستحق را کہ چیزی باو دهد و منافق تکلل

می کند تا چیزی نہ بد کہ کسی و مومن اطاعت می کند و می گیرید و منافق معصیت

می کند و می خندد و مومن را خورد و خفت عبادتی باشد و مومن زلتی کند بخلا

از آن استغفار کند و منافق ہر گاہ قصد کند و اصرار کند مومن طالب ریاست

بود منافق طالب ریاست بود و مومن ہمہ کرد باشد بکیفیت منافق ہمہ گفت

بی کرد سعی این در فکاک نفس خود بود و سعی او در ہلاک نفس خود بود و مومن

آنچہ کند خواہد کہ باز گوید منافق آنچہ نہ کند خواہد کہ باز گوید چنانکہ خدای تعالیٰ گوید:

وَيُحِبُّونَ أَنْ يُضْحَكُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

حاتم اہم کا قول ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب سے نا امید

رہتا ہے اور منافق اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب سے امید رکھتا ہے مومن

نیک کام کرتا ہے پھر بھی (اللہ سے) ڈرتا رہتا ہے اور منافق گناہ کرتا ہے

پھر بھی دیدہ دلیر رہتا ہے مومن مال کو دین کی ڈھال بناتا ہے اور منافق

دین کو مال کی ڈھال بناتا ہے مومن کسی مستحق کی تلاش میں رہتا ہے کہ

اُس کو کچھ دے اور منافق یہاں سے تراشتا رہتا ہے کہ کسی کو کچھ دینا نہ پڑے۔

مومن اطاعت کرتا اور آنسو بہاتا ہے منافق گناہ کرتا اور ہنستا ہے مومن

کے لیے کھانا اور سونا عبادت ہوتا ہے مومن دھوکے سے اگر غلطی

کرتا تو اس پر استغفار کرتا ہے اور منافق ہر گناہ عمدہ کرتا ہے اور اس پر اصرار

کرتا ہے مومن انصاف خواہ ہوتا ہے اور منافق مطلق العنانیت پسند مومن

لے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں منافق کے بارے میں جو جملہ قصائد و کلام عسکری حقیقی سے نقل کرتے وقت چھوٹ گیا ہے۔

سکوت کامل اور سراپا عمل ہوتا ہے اور منافق سراپا گفتار و بے عمل - اس (منافق) کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو آزاد چھوڑے رہے اور اُس (دemon) کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو دبائے کچلے رہے جو کچھ کرتا ہے، چاہتا ہے کہ اس کا اعلان نہ ہو اور منافق جو کچھ نہیں کرتا ہے چاہتا ہے کہ اس کا بھی اعلان ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

”اور تعریف چاہتے ہیں بن کیسے پر“

گذشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو الفتح رازی کی وفات ۶۵۷ھ کے آس پاس ہوئی ہوگی۔ حاتم اہم کا سنہ وفات ۶۲۷ھ ہے یعنی ان کے اور ابو الفتح رازی کے درمیان تین صدیوں کا بُعد مکانی ہے۔ ان دو حضرات میں سے ایک معلوم سُنی ہے اور دوسرا شیعہ۔ دونوں ہی اپنے اپنے معقدین کے حلقوں میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں شیعہ مفسر و اعطاء کا زمانہ حیات وہ دورِ پُرفتن ہے جب شیعہ سُنی ہی نہیں سُنی بھی نہ صرف دست و گریبان تھے بلکہ ایک دوسرے کے خون کے پیا سے بھی تھے پھر بھی محسوس ہوتا ہے کہ اُس دورِ پُرفتن میں بھی ہمارے دور سے کہیں زیادہ مذہبی رواداری موجود تھی۔ ابو الفتح رازی کی تفسیر انبی تمام ”اثنا عشریت“ کے باوجود اُس مذہبی رواداری کی حامل نظر آتی ہے جو ہمارے اس ”روشن خیالی“ کے دور میں مفقود ہے۔ ان کے یہاں ایسے ایسے صحابہ و صحابیات کی روایت کردہ احادیث کے حوالے ملے گئے جن کا نام بھی آج کے ”روشن خیال“ دور کے شیعہ علماء اپنے نوک قلم پر لانا پسند نہیں کرتے۔ یہی کچھ معاملہ انھوں نے سُنی صوفیاء کے ساتھ کیا ہے جس کی ایک جھوٹی سی مثال اوپر درج کی جا چکی ہے۔ ہماری اس تحریر سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ابو الفتح رازی کی تفسیر میں شیعیت کی روح کا رُفہ نہیں ہے۔ یہ ایک راسخ العقیدہ شیعہ و اعطاء مفسر کی تفسیر ہے جو دوسرے شیعہ مفسروں کی تفسیروں سے ممتاز و متمایز ضرور ہے کیونکہ اس میں مذہبی رواداری کا جذبہ بدرجہ اتم دکھائی دیتا ہے۔

ہمارے مفسروں کو اپنی جولانی طبع دکھانے کا بہترین موقع وہاں ہاتھ آتا ہے جہاں کلام پاک نے مجمل طور سے کسی گذشتہ واقعے کا قصص کے انداز میں ذکر کر دیا ہے ابو الفتح رازی کی تفسیر روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن اس ”وصف“ سے نہ صرف یہ کہ

عاری نہیں ہے بلکہ دوسرے مفسروں کی جولانی طبع کو سیلوں پیچھے چھوڑ جاتی ہے اور اس جولانی طبع کو ان کی طول بیانی مہینہ کرتی ہے تو قاری اپنی تمام جودت طبع و تیز فہمی کے باوجود ان کے فرمودات سے مکمل طور پر استفادہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ ان کے یہاں بات سے بات اس طرح نکلتی آتی ہے کہ قاری خواہی نہ خواہی حجرہ ہفت بلا میں داخل ہو جاتا ہے جس سے نکلنا اُس کے بس سے باہر ہوتا ہے قصص کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ڈاکٹر عسکر حقوقی نے ابو الفتوح رازی کی تحریروں کو مرتب کر کے ایک خاصی ضخیم جلد شائع کر دی ہے جس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اس مفسر کو ایک مضمون کو کتنے رنگوں میں باندھنے کا فکا رانہ سلیقہ تھا۔ ہم نے طوالت سے بچنے کے لیے ان کی تحریر کے صرف ایک ایسے ٹکڑے کا انتخاب کیا ہے جس کی نظیر ان کے یہاں ذرا کم ہی ملے گی۔ اس ٹکڑے کا عنوان مقام ابراہیم ہے جو درج ذیل ہے:

”چون مدتی برآمد و اسماعیل بزرگ شد، و ہاجر فرمان یافت و جُرمیان آنجا فرود آمدند و اسماعیل از ایشان زنی خواست و با خانہ برد، ابراہیم علیہ السلام از سارہ دستوری خواست تا بیاید و اسماعیل را بہ بیند، سارہ گفت: رواست، ہجر و بشرط آنکہ از اسپ فروینائی، و او ندانست کہ ہاجر ماندہ نیست۔ ابراہیم بہ او بشرط کرد و بیا مد، چون بیا مد جای دید بہ مردم آبادان و قبیلہ بزرگ، فرود آمدہ، اسماعیل را خواست، او حاضر نبود بہ صید رفتہ بود بیرونِ حرم، زن اسماعیل بیرون آمد از خیمہ و گفت: تو را چہ می باید؟

گفت: اسماعیل را می خواہم

گفت: حاضر نیست

گفت: بیج طعامی و شرابی ہست

گفت: نہ

ابراہیم علیہ السلام گفت: اسماعیل چون باز آید بگوئی کہ پیری تو را سلام می کند

برائے نشان دہی گوید "آستان در گردان کہ موافق نیست" ویرفت۔ چون اسماعیل باز آمد، بوی ابراہیم شنید گفت: ای زن کس غریب این جا حاضر بود؟

گفت: بلی، پیری برائے نشان و برائے صفت کا مستحقہ نشانہ چون کسی کہ استخفاف کند!

گفت: چہ گفت؟
گفت: تو را سلام کرد و گفت اسماعیل را بگو تا آستانہ در گردان کہ نیک نیست۔

گفت: طعام و شراب نخواست؟
گفت: نخواست، من ندادم۔
گفت: برخیز کہ طلاق دادم و برو!

(جب ایک زمانہ گزر گیا اور (حضرت) اسماعیل بڑے ہو گئے، (بی بی) ہاجرہ کا انتقال ہو چکا اور (قبیلہ) جرہم کے لوگ وہاں آکر رہنے لگے۔ (حضرت) اسماعیل نے اُن کی ایک خاتون سے شادی کی اور اپنے گھر لے آئے ابراہیم علیہ السلام نے (بی بی) سارہ سے اجازت مانگی کہ وہ آکر (حضرت) اسماعیل کو دیکھ لیں۔ (بی بی) سارہ نے جواب دیا: بہتر ہے، اس شرط پر تشریف لے جائیے کہ آپ گھوڑے سے نیچے اتریں۔ وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ (بی بی) ہاجرہ نہیں رہی ہیں۔ (حضرت) ابراہیم نے شرط قبول کرنی اور تشریف لے آئے۔ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے وہ جگہ لوگوں سے آباد دیکھی جہاں ایک بڑا قبیلہ رکا ہوا تھا انھوں نے (حضرت) اسماعیل کو پوچھا۔ وہ موجود نہ تھے گھر سے باہر شکار کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ (حضرت) اسماعیل کی اہلیہ خیمہ سے باہر آئیں اور پوچھا آپ کو کیا چاہئے؟

انھوں نے فرمایا، اسماعیل کو پوچھ رہا ہوں۔
اُس نے کہا: موجود نہیں ہیں۔

(حضرت ابراہیم نے پوچھا، کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟
جواب دیا: نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اسماعیل جب واپس آئیں تو اُن سے کہنا کہ
اس اس طرح کا ایک بوڑھا تم کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ ”دروازے
کی چوکھٹ بدل دو کیونکہ وہ (چوکھٹ) مناسب نہیں ہے اور واپس
تشریف لے گئے۔

جب (حضرت) اسماعیل واپس آئے انھوں نے (حضرت) ابراہیم (کے
وجود) کی مہک محسوس کی تو پوچھا، اے خاتون کوئی مسافر اس جگہ آئے
تھے؟ اُس نے جواب دیا، ہاں۔ اس اس طرح اور اس صفت کے
ایک بوڑھے (آئے تھے، یہ بات اُس نے اس انداز سے کہی جیسے کوئی
کسی کا مذاق اڑاتا ہے۔ انھوں نے پوچھا، کیا کہا؟

اُس نے جواب دیا، آپ کو سلام کہا اور کہا کہ اسماعیل سے کہہ دینا کہ
دروازے کی چوکھٹ بدل دیں کیونکہ (چوکھٹ) اچھی نہیں ہے۔

انھوں نے دریافت فرمایا کھانا پینا نہ مانگا؟

اُس نے جواب دیا، مانگا، میں نے نہیں دیا۔

انھوں نے فرمایا، اٹھ میں نے تجھے طلاق دی (یہاں سے) چلی جا
”زنی دیگر کرد۔ مدتی دیگر برآمد۔ دگر بارہ ابراہیم علیہ السلام دستوری

خواست از سارہ، دستوری دادش ہم برین شرط۔

ابراہیم بیامد۔ اتفاق چنان افتاد کہ اسماعیل حاضر نہ بود چون بہ
درخیم رسید، زن بیرون دوید و گفت، ای جوانمرد فرو دای گرامائل
بہ صید است، ہم این ساعت آید، تو بیا سای تا آمدن او۔

ابراہیم گفت، فروتو انم آمدن، ولیکن پیش تو بیج طعای و شرابی ہست؟
گفت: بلی و بدوید و برای او گوشت آورد و شیر آورد۔

ابراہیم علیہ السلام بر پشت اسب از آن بخورد و کردایش از ابرکت
درخیم آید کہ: اگر آن زن پیشہ ابراہیم نان آوردی یا خرما و ابراہیم بر او دعا

کردی، در سبہ روی زمین جای نہ بودی کہ گندم و خرابیشتر بودی آزانکہ بہ مکہ
ولیکن دعا بر گوشت و شیر کرد، چندانی گوشت و شیر کہ بہ مکہ باشد بیج جان باشد۔
آنگہ آن زن گفت: یا پیر یا برکت فردا می تا سرت بشویم کہ گردناک شدہ
است، از گرد راہ ۔

گفت: فردو دنیا یم ولیکن سنگی ییارتامن یک پای برانجا ہنم و یک پای
در رکاب نگہ دارم۔ برفت و سنگی بزرگ بیاورد و در زیر پای ابراہیم نہاد
ابراہیم علیہ السلام یک پای برآن سنگ نہاد تا او یک جانب سرش لبست
اثر پای ابراہیم در آن سنگ بماند، پای دیگر بر سنگ نہاد تا او دیگر جانب
لبست، اثر پایش در آن سنگ ظاہر شد۔ آنگہ بر نشست و او را گفت
چون شو بہرت باز آمد، بگو کہ آن سیر تو را سلام می کند و میگوید: ”عقبہ
در سخت صالح است مگر دان“ و برفت۔

(حضرت اسماعیل نے) دوسری شادی کر لی ایک عرصہ اور گزر گیا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ (بی بی) سارہ سے اجازت مانگی
انہوں نے اجازت دے دی مگر اُسی شرط کے ساتھ۔ (حضرت ابراہیم
تشریف لائے، اتفاق ایسا ہوا کہ اس بار بھی جناب اسماعیل موجود
نہ تھے جب وہ خیمے کے دروازے پر پہنچے، خاتون باہر کی طرف
دوڑیں اور انہوں نے کہا: اے عالی ہمت! آپ (سواری سے)
نیچے تشریف لے آئیے، اسماعیل شکار کو گئے ہیں، اسی وقت آتے
ہیں، اُن کے آنے تک آپ آرام فرمائیں۔

(حضرت ابراہیم نے فرمایا، میں نیچے نہیں آسکتا ہوں لیکن کیا تمہارے
پاس کچھ کھانے پینے کو ہے؟
اُن (خاتون) نے جواب دیا، ہاں، اور دوڑ کر ان کے لیے گوشت
لائیں اور دو دھلائیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ
بیٹھے اُس میں سے کھایا اور اُن لوگوں کے لیے برکت کی دعا کی۔

حدیث میں یہ بات آتی ہے کہ اگر وہ خاتون (حضرت) ابراہیم کے سامنے روٹی لائیں یا کھجور اور (حضرت) ابراہیم اس پر دعا کرتے تو روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ ہوتی جس میں مکہ سے زیادہ گنہگاروں اور کھجور ہوتی۔

لیکن (چونکہ) انھوں نے گوشت اور دودھ پر (برکت کی) دعا کی تھی (اس لیے) جتنا گوشت اور دودھ مکہ میں ہوتا ہے روئے زمین کے کسی چپے پر نہیں ہوتا۔

اُسی وقت ان خاتون نے کہا، بوڑھے بابا نیچے اتر آئیے تاکہ میں آپ کا سر دھو دوں جو راستے کی گرد سے اٹ گیا ہے۔

(حضرت ابراہیم نے) جواب دیا، میں نیچے نہیں اتروں گا لیکن تم ایک پتھر لے آؤ تاکہ میں ایک پیر اس پر رکھوں اور ایک رکاب میں رکھے رہوں۔ وہ چلی گئیں اور ایک بڑا پتھر لے آئیں اور (حضرت) ابراہیم کے پیر کے نیچے رکھ دیا۔

ابراہیم نے ایک پیر اُس پتھر پر رکھا تاکہ اُن خاتون نے ان کا ایک طرف کا سر دھویا (حضرت) ابراہیم کے پیر کا نشان اس پتھر پر نقش ہو گیا اور دوسرا پیر پتھر پر رکھا۔ اس خاتون نے دوسری طرف بھی سر دھویا۔ اُس (طرف کے) پتھر پر (بھی حضرت) ابراہیم کے پیر کا نشان (باقی) رہ گیا۔ اُس وقت (سواری پر) بیٹھ گئے اور اُن خاتون سے کہا:

جب تمہارے شوہر واپس آجائیں تو کہنا کہ وہ بوڑھا تم کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ دروازے کی چوکھٹ بہت صاف ہے اسے تبدیل دیکھا، اور تشریف لے گئے۔

چون اسماعیل باز آمد، پدرانه دید، گفت: کسی اینجا بود، گفت: بلی، پیری چنین، بدین صفت، نیکو روی، خوش بوی و خوش خوی و ثنا گفت۔

گفت: چہ کردی؟ گفت: مہمانداری کردم اور او سرش بشستم و بسیار

سہ ابوالفتح رازی نے یہ نہیں لکھا کہ اس حدیث کا راوی کون ہے؟

لابہ کرم، فرود دنیا مد۔

گفت: پیہ پیغام داد

گفت: ”تورا سلام می کند می گوید: عتبہ در نگاہ دار کہ مستقیم است و بدل کن“
گفت: دانی تما او کہ بود؛ او پدر من است ابراہیم، خلیل خدای تعالیٰ
عز وجل، پس مقام ابراہیم این سنگ است۔

انس مالک روایت می کند کہ من دیدم اثر انگشتان و پاشند در آن، انکو
از بس کہ مردم دست در مالیدند اثر روشن نمانده۔

عبداللہ بن عمر روایت کند کہ رکن و مقام دو یا قوت بود از یا قوتہای
بیشتر خدای تعالیٰ عز وجل بہ زمین فرستاد و در مشنائی ایشان بستد
اگر ہم چنان روشن بودندی، ہرگز در دنیا شب نہ بودی از نور و فروغ
ایشان و ہمہ زمین بہ نور ایشان منور بودی“

جب (حضرت) اسماعیل واپس تشریف لائے، والد کو نہ دیکھا۔ (اپنی
اہلیہ سے) پوچھا، کوئی یہاں تھا؟

انہوں نے جواب دیا، ہاں۔ ایک اس طرح کے بوڑھے ایسی صفت
کے حامل اور اچھے چہرے، اچھی مہک اور اچھے اخلاق والے (آئے
تھے) اور ان کی تعریف کی۔ (حضرت اسماعیل نے) پوچھا، تم نے کیا کیا،
جواب دیا، میں نے ان کی بہان داری کی، سردھلوا یا، میں نے بہت
منت کی مگر وہ (سواری سے) نیچے نہ اترے (حضرت اسماعیل نے) پوچھا
انہوں نے کیا پیغام دیا۔

(خاتون نے) جواب دیا ”تم کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دروازے کی
چوکھٹ کی حفاظت کرو کہ بالکل درست ہے اور بدلو نہیں۔“

(حضرت اسماعیل نے) فرمایا: تم جانتی ہو کہ وہ کون تھے؟ وہ میرے والد
ابراہیم تھے۔ قادر مطلق اللہ کے دوست، پس مقام ابراہیم یہ پتھر ہے۔
انس بن مالک (متوفی ۹۱ یا ۹۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان (حضرت
ابراہیم) کی انگلیوں اور تلوے کے نشان اُس (پتھر) پر دیکھے ہیں۔ اب

اُس پر لوگوں نے اتنا ہاتھ ملا کہ نشان واضح نہیں رہ گیا۔
عبداللہ ابن عمر (متوفی ۳۷ھ) سے مروی ہے کہ رکن اور مقامِ جنت کے
یا قوتوں میں سے دو یا قوت تھے جن کو قادر مطلق اللہ نے زمین پر بھیجا
اُن کی روشنی سلب کرنی، اگر وہ اُسی طرح روشن رہتے (جس طرح
جنت میں تھے) تو اُن کی چمک اور روشنی کی وجہ سے دنیا میں ہر گزرات
نہ ہوتی اور تمام کی تمام زمین اُن کی روشنی سے منور ہو جاتی۔

ابوالفتح رازی نے درج بالا صفات میں جو کچھ تحریر کیا ہے اُن میں کوئی نادریات
نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا نکتہ ہے جس کو ان کی وضع خاص یا تحقیق خاص کا نمونہ قرار دیا
جاسکے۔ جہاں تک ”مقامِ ابراہیم“ کا سوال ہے اس سلسلے میں علمائے امت میں شروع ہی
سے اختلاف رہا ہے اور آج بھی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور چند اکابر صحابہ
و تابعین ”مقامِ ابراہیم“ سے مراد پورا خانہ کعبہ لیتے ہیں۔ دوسرے گروہ کے علماء اس سے مراد
وہ پتھر لیتے ہیں جو آج بھی خانہ کعبہ کے فرش کا ایک جزو ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی پتھر
ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی دیوار اچنی کی تھی اور اس
پتھر پر اُن کے پیروں کا نقش بن گیا تھا۔ اب ”مقامِ ابراہیم“ کے نام سے موسوم جگہ پر جو پتھر
ہے اُس پر کوئی نقش قدم نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ عقیدت مندوں نے اُس پر اس کثرت سے
ہاتھ پھیرا کہ نقش قدم معدوم ہو گیا۔ اس مقام پر ہم خاص طور سے اس بات کی طرف اشارہ
کرنا چاہتے ہیں کہ ابوالفتح رازی نے اپنی تفسیر میں مشہور تابعی کعب الاحبار (م: ۳۲۷ھ) اور
انہی کے قبیل کے راویوں کی روایتوں کو دل کھول کر نقل کیا ہے جس کے نتیجے میں اُن کے
یہاں بھی اسرائیلیات کا اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ شاید اُن کے عہد حیات کا یہی تقاضا ہو۔
یہی روایت کہ حضرت ابراہیمؑ جب حضرت اسماعیلؑ سے ملتے کے لیے مکہ تشریف لائے تو
بنی سائرہ کی قوم کی وجہ سے سواری سے نیچے نہ اترے پھر وہی سب کچھ ہوا جس کا حال ابوالفتح رازی
کے تحریر کردہ درج بالا کھڑے ہیں موجود ہے۔ اس واقعہ کو تحریر کرنے میں ابوالفتح رازی منفرذ نہیں ہیں۔ ترجمہ

۱۷۰۰-۱۸۰۰ء کی صدی عیسوی کے اواخر میں جب سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر لکھی تھی اس زمانے میں جہاں وہ پتھر جزو فرش
ہے شافعی امام کھڑے ہوتے تھے۔ یاد رہے کہ سعودیوں کی آمد سے پہلے خانہ کعبہ میں چار مہلتے تھے۔

تفسیر طبری میں بھی جزوی اختلاف کے ساتھ ہی منظر دکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ابوالفتح رازی نے حضرت ابن مالکؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی جو روایتیں نقل کی ہیں وہ چند لفظی اختلافات کے ساتھ دوسری تفسیروں میں بھی نظر آتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سارے خیالات چھٹی صدی ہجری میں مسلمات کے طور پر عام تھے اور ان کو قبول کرنے میں شیعہ یا سنی کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ اگر اس بات کو ماننے سے انکار کیا جاتا ہے تو پھر اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ ابوالفتح رازی نے اپنی تفسیر تحریر کرتے وقت اپنے ملک کی غالب اکثریت کے میلان طبع کو مد نظر رکھتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ ان ہی کے زیرگوں کے حوالے سے لکھا ہے اور جہاں تک ہو سکا ہے انھوں نے غالب اکثریت کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے بغیر اپنی بات کہنے کی کوشش کی ہے۔ اس روش احتیاط کے باوجود جہاں اس بات کا موقع تھا کہ وہ اپنے فقہی مسلک کا کھل کر اظہار کریں اور کلام پاک کی تعبیر و تشریح اسی کے مطابق کریں وہاں انھوں نے اس سے قطعی روگردانی نہیں کی ہے جس کی ایک مثال اس مطالعے کے آخری حصے میں پیش کی جائے گی۔

۱۔ فارسی کی چند اہم تفسیریں جلد اول، کبیر احمد جالئی، انجمن استادان فارسی دہلی، ۱۹۹۷ء ص ۴۵-۴۸۔
۲۔ صفویوں کے عہد (۱۰۹۰ھ - ۱۱۴۳ھ) سے پہلے ایران میں سنیوں کی اکثریت تھی۔

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی کی اہم کتاب

ایمان و عمل کا قرآنی تصور

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان و عمل کے مروجہ تصور کی کم زوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن و سنت کے نقطہ نظر کی مدلل اور دلنشین تشریح کرتی ہے ○ ایمان و عمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے
۱۱ صفحہ کی طباعت۔ خوبصورت سرورق۔ صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپے لائبریری ایڈیشن ۲۰ روپے
ملنے کا پتا: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲